نہ کرے۔ (حضرت حاجی صاحبؒ کا قول یہی ہے کہ ان تجلیات و انوار میں کسی کیطرف التفات نہ کرے۔ حضرتؒ کا مذاق سلف کے مطابق تھا۔ سلف کا فیصلہ اس باب میں یہ ہے کُلُّ مَا خَطَرَ بِبَالِكَ فَهُوَ هَالِكٌ وَاللّٰهُ اَجَلُّ مِنْ ذٰلِكَ۔ تمہارے دل میں جو بھی خطرہ آئے جس میں انوار و تجلیات بھی داخل ہیں، وہ سب فانی ہیں، اور اللہ سب سے اجل اور منزہ ہے۔ ان تحقیقات کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ امام وقت تھے۔ کما قال حضرت حکیم الامت تھانویؒ، استمرار التوبہ ص۱) جیسے بچے کو لڈو دے کر یا پیسہ دے کر بہلا دیتے ہیں، اسی طرح مبتدی سالک کو اس رنگ آمیزی سے بہلایا کرتے ہیں کہ نشاط سے کام میں لگا رہے، سو مقصود کام ہی ہے، اس لئے اکثر یہ انوار عقلاء کو نہیں دکھلائے جاتے، بلکہ کم عقلوں کو دکھلائے جاتے ہیں، تاکہ ذکر اللہ کا چکہ لگ جائے اور آگے قدم بڑھائیں، میں جو ان انوار کی نفی کر رہا ہوں، وہ درجہ مقصودیت ہیں، ورنہ فی نفسہ وہ محمود ہیں۔ گو مقصود نہیں، انکو مذموم نہ سمجھنا چاہیئے، اگر خود آئیں آنے دو۔ ان کے دور کرنے میں بھی پریشانی نہ اٹھاؤ، اگر نہ آئیں تو مغموم مت ہو، کیونکہ مقصودیت کے درجہ میں تو ہیں نہیں، نہ آئیں بلا سے مت آؤ (خیر المال للرجال ص۵۵)

فرمایا: ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ نے ایصال ثواب کے بارے میں جسکے تقسیم، عدم تقسیم کے باب میں کوئی نص قطعی نہیں اور اسی وجہ سے اس میں اختلاف ہوا ہے۔ یہی فرمایا تھا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ سے امید یہی ہے کہ جب ہم چند آدمیوں کو ایک عمل کا ثواب پہنچاتے ہیں تو سب کو برابر ہی پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ کمی تھوڑا ہے۔ (آداب المصاب تسلیۃ الاحباب ص۳۲) حدیث قدسی ہے اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ۔ یعنی میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں، اس لئے حضرت حاجی صاحبؒ کے قول پر یقین رکھنا مناسب ہے۔

فرمایا: ایک شخص حضرت حاجیؒ کے پاس آیا اور شکایت کی کہ حضرت مجھے قبض رہتی ہے، کسی طرح بسط نہیں ہوتا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر جہر سے کیا کرو، تو وہ کیا کہتا ہے کہ حضرت میں تو نقشبندی ہوں جہر کیسے کروں، آپ نے فرمایا کہ اچھا نقشبندی ہو تو جاؤ۔ پھر اس نے ذکر جہر شروع کیا، بس جہر کرتے ہی بسط ہو گیا۔ اب بتلایئے اس شخص کی طبیعت کو ذکر جہر سے مناسبت تھی مگر اس کے شیخ نے ذکر خفی ہی تجویز کیا جس سے نفع نہ ہوا حضرت حاجی صاحبؒ نے پہچان لیا کہ اسکو جہر سے مناسبت ہے، وہی تجویز فرمایا مگر وہ حضرت نقشبندی ہونے کا عذر کرنے لگے۔ یہ نہایت واہیات ہے، شیخ کامل جو تجویز کرتا ہے۔ طالب کو اس پر بلا تردد و شک عمل

کرنا چاہیئے کیونکہ وہ صاحب بصیرت ہوتا ہے، طالب کی استعداد کو پہچانتا ہے اور پہچان کر نسخہ تجویز کرتا ہے تو خوب سمجھ لو کہ ذکرِ جہر نقشبندیت کے منافی نہیں اور نہ ذکر خفی چشتیت کے منافی ہے مقصود دونوں کا ایک ہے اور دونوں کو طالب کی استعداد کے موافق جو طریقہ مفید ہو بتلانا چاہیئے۔ دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ چشتیہ کے مذاق پر تخلیہ کا اہتمام غالب ہے اور نقشبندیہ کے مذاق پر تحلیہ کا اہتمام غالب ہے۔ (زکوٰۃ النفس صہ۳۱)

فرمایا: وصول جب ہوتا ہے، دفعۃً ہوتا ہے۔ بعض دفعہ ایک بار خدا کا نام اس طرح دل سے نکلتا ہے جو سالک کو واصل کر دیتا ہے۔ اس لئے جتنا ہو سکے اسکو بیکار نہ سمجھو۔ قاعدہ سے یا بے قاعدہ سے، ناغہ سے یا بلاناغہ کرتے رہو، ایک دن عنایت ہو جائے گی، حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں ؎

گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم
بس ہے اپنا ایک نالہ بھی گر پہنچے وہاں

دیکھو اگرچہ پیٹ آخری لقمہ سے بھرتا ہے۔ لیکن پیٹ بھرنے میں پہلے لقمہ کو اتنا دخل ہے جتنا آخری لقمہ کو، اسی طرح واصل اگرچہ آخر میں ایک دفعہ اللہ کا نام لینے سے ہوتا ہے، لیکن اس میں پہلی مرتبہ اللہ کہنے اور ذکر و شغل کو بھی دخل ہے۔ (زکوٰۃ النفس صہ۱، ہم الاخرۃ صہ۵۶، الدنیا والاخرہ صہ۲۹)

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ. فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ (الانعام آیت ۷۵ تا ۷۸) اور ہم نے ایسے ہی طور پر حضرت ابراہیم علیہ سلام کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں تاکہ وہ عارف ہو جائیں اور تاکہ کامل الیقین کرنے والوں سے ہو جائیں۔ پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا، آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ پھر جب چاند کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے، سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا اگر مجھ کو میرا رب ہدایت نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں، پھر جب آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے یہ تو سب میں بڑا ہے، سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا: اے میری قوم بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں، مشرکوں

تفسیر تو یہ ہے کہ یہ ارخاء عنان بطور الزام ہے کہ ستاروں کو دیکھ کر فرمایا ہاں تو یہ خدا ہے پھر جب وہ غروب ہو گئے تو ان کے نقائص کو ظاہر کر کے توحید کو ثابت کیا کہ خدا بھی کوئی ایسا ہوتا ہے کبھی عالی کبھی سافل، ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کوکب میں اوّل ظاہر پر نظر پڑی۔ اسکی نسبت فرمایا: هٰذَا رَبِّيْ۔ پھر مظہر کی طرف التفات ہوا۔ اسکی نسبت فرمایا أُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ۔ مطلب یہ تھا کہ اس کوکب کے اندر جو مجھے نظر آ رہا ہے وہ میرا خدا ہے اور تم جو کوکب کی پرستش کرتے ہو میں اس سے بیزار ہوں، غرض عارفین مخلوق کو مرآۃ سمجھتے ہیں، سو دوسرے لوگ تو اوّل مرآۃ کو دیکھتے ہیں، اور عارفین اوّل مرآۃ کے اندر محبوب کو دیکھتے ہیں، تبعاً مرآۃ پر بھی نظر پڑ جاتی ہے (المورد الفرسخی فی المورد البرزخی ص۹۶)

فرمایا: حضرت حاجی صاحبؒ کے ایک مرید بیان کرتے تھے کہ حضرت ایک مرتبہ حرم میں تشریف رکھتے تھے، ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دوسرے شخص کو مار رہا ہے، ہم لوگ سمجھتے تھے یہ کوئی نوکر ہے، حضرتؒ نے فرمایا یہ پیر مرید ہیں اور فرمایا دیکھو پیر ایسے ہوتے ہیں کبھی ہم نے بھی تم لوگوں کو مارا ہے۔ (ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ شیخ مرید کو اٹھک بیٹھک کرا رہے تھے (مجالس القادر ۱۰) واقعی حضرتؒ کو اس قدر رحمت اور شفقت تھی کہ کہیں نہ دیکھی نہ سنی

ہم نے الفت کی نگاہیں دیکھیں جانیں کیا چشم غضبناک کو ہم

میں نے حضرتؒ کو دیکھا کہ اپنے مریدوں کیساتھ وہ برتاؤ فرماتے تھے جیسا کہ لوگ اپنے پیروں کیساتھ کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت سے فیض زیادہ ہوا۔ خیر یہ تو حضرت کی خاص حالت تھی مگر مجھ کو ان حضرت پیر کے قصہ سے استدلال کرنا ہے کہ وہ مرید بڑی خوشی سے پٹ رہا تھا جو بدوں محبت کامل کے اپنے اختیار سے کوئی انسان اسکو گوارہ نہیں کر سکتا، اور اس محبت کا منشاء صرف یہی امر ہے کہ اس کو اللہ والا بلفظ دیگر کامل الایمان سمجھتے ہیں۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ ایک مولوی صاحب فرماتے تھے کہ خدا جانے یہ فقیر کیا گھول کر پلا دیتے ہیں، ہم طالب علموں کو کھلاتے ہیں، پہناتے ہیں، سبق پڑھاتے ہیں، کتاب اپنے پاس سے دیتے ہیں، ان کے تمام ناز نخرے اٹھاتے ہیں، اور جب پڑھ لکھ کر چلے جاتے ہیں تو کوئی پوچھتا نہیں، اور ان فقیروں کے پاس جو آتا ہے، منہ سے بولتے تک نہیں، وہ خانقاہ میں پڑے ہیں اور ان کو خبر بھی نہیں ہے، کبھی شاہ صاحب ہنس پڑے تو عید آ گئی، برسوں کے بعد کچھ بتلا دیا تو بہت ہی خوش ہیں۔ حالانکہ پیر صاحب پر کونسی محنت پڑی، ذرا زبان ہلا دی، ساری محنت مرید ہی کرتا ہے، نہ

اس کے کھانے کی خبر اور نہ محنت کی خبر، خدمتیں علیحدہ کرو، اگر پیر کے ہاں بھینس ہے تو سانی کرو، چارہ لاؤ اور بھینس چراؤ اور پیر جب چاہیں بھینس کی وجہ سے مرید کو نکال دیں، جب چاہیں ماریں مگر وہ ہے کہ ٹلتا نہیں، زندگی تک تو یہ حال رہتا ہے اور جب پیر صاحب مر گئے، بیوی بچوں کو چھوڑ کر قبر کا مجاور بن گیا۔ غرض خدا جانے کیا پلا دیتے ہیں، کہ وہ سرنگوں ہو کر لپیٹ جاتا ہے۔ حضرت ان کے پاس ایک مقناطیس ہے، وہ اس سے جذب کر لیتے ہیں، وہ ہے خدا تعالیٰ کی اطاعت۔ شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیںؒ

توہم گردن از حکم داور مپیچ کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

تو بھی حق تعالیٰ کے حکم سے گردن نہ پھیر کہ تیرے حکم سے کوئی گردن نہ پھیرے گا، عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید ترسد از وے جن وانس وہر چہ دید

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرا اور اس نے تقویٰ اختیار کیا ہے تو اس سے جن وانس اور جو چیز اسکو دیکھتی ہے، ڈرتی ہے۔ (الاتفاق ص ۳۲)

فرمایا: ایک دفعہ مولانا فتح محمد صاحب تھانویؒ کو حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں زیادہ دیر لگ گئی تو اٹھتے وقت بطور معذرت کے حضرتؒ سے عرض کیا کہ آج حضرت کا بہت ہرج ہوا، کیونکہ یہ وقت عبادت کا تھا، فرمایا کہ میاں کیا تسبیح ہلانا ہی عبادت ہے، دوستوں سے باتیں کرنا بھی تو عبادت ہے۔ کیونکہ اس میں تطییب قلب مسلم ہے، اور ایک بار میرا نام لے کر فرمایا کہ میاں اشرف علیؒ جب ہم مجلس میں باتیں کرتے ہوں۔ اس وقت بھی تم ہمارے باطن کیطرف متوجہ رہا کرو۔ یہ مت سمجھنا کہ اس وقت تو باتوں میں مشغول ہیں۔ اس لئے باطن سے فیض نہ ہوگا، بھائی ہمارا باطن اس وقت بھی ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ تو بات کیا ہے، اس کا راز یہی ہے کہ کامل باتیں بھی عبادت ہی کی نیت سے کرتا ہے۔ اس کا باطن اس وقت بھی مشغول بحق ہوتا ہے، اسی لئے اسکو معلوم ہوتا رہتا ہے کہ اب خاموشی کا وقت ہے، اور اس وقت بولنے کی ضرورت ہے، اس وقت مزاح کی ضرورت ہے، تو اس کا قول و فعل عبادت و ذکر سے خالی نہیں ہوتا۔ اسی لئے کامل کو ہنسی مزاح اور زیادہ باتوں میں مشغول دیکھ کر اپنے اوپر قیاس کر کے اس پر اعتراض نہ کرنا چاہئے، جن باتوں کو تم فضول سمجھتے ہو وہ کسی حکمت یا ضرورت کی وجہ سے ان میں مشغول ہوتا ہے ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

تجربہ کار آدمی کی حالت کو غیر تجربہ کار آدمی نہیں سمجھ سکتا، لہٰذا بات کو طول نہ دے اور زبان بند کر کیونکہ

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ملوگوں کے کانوں کو اپنی طرح قیاس نہ کر کیونکہ شِیر اور شیر ایک ہی طرح لکھتے ہیں، لیکن شِیر ایک تو خونخوار انام ہے، اور شیر دودھ کو کہتے ہیں۔ اور ان میں بڑا فرق ہے۔ بعینہٖ تم میں اور اولیاء اللہ میں زمین ان کا فرق ہے۔ ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔ (تفاضل الاعمال ص۱۳، ماعلیہ البصر ص۲۲)

فرمایا: ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ ایک مرتبہ بلا کے نعمت ہونے پر تقریر فرما رہے تھے، وقت یہ مسئلہ ہم لوگوں پر منکشف ہو رہا تھا، اور سب بلائیں نعمت معلوم ہوتی تھیں، اسی وقت عۃً ایک شخص آیا جسکا ایک ہاتھ زخم کی وجہ سے گلا ہوا تھا، اور اس نے آکر دعا کی درخواست کی مجھے اس بیماری سے بہت تکلیف ہے، اللہ تعالیٰ سے شفاء کی دعا فرمایئے۔ اس وقت ہم لوگوں و فکر ہوئی کہ حضرت نے ابھی بلا کا نعمت ہونا بیان فرمایا ہے۔ اب دیکھیں اس کیلئے رفع بلاء کی کیونکر فرمائیں گے، کیونکہ رفع بلاء کی دعا کرنا تو اس تقریر کی بناء پہ زوالِ نعمت کی دعا کرنا ہے، مگر عارفین کسی پہ نہیں رکتے، کیونکہ ان کے سامنے حقائق منکشف ہوتے ہیں۔ حضرتؒ نے فوراً فرمایا کہ سب بان دعا کریں اور پکار کر یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ یہ بلاء بھی نعمت ہے مگر یہ لوگ نے ضعف کا سبب اس نعمت کا تحمل نہیں کر سکتے۔ اس لئے درخواست کرتے ہیں کہ اس نعمت ت عافیت سے مبدل فرما دیجئے۔ یہ طرز دعا سن کر ہماری آنکھیں کھل گئیں کہ سبحان اللہ کسطرح کو جمع کیا کہ بلاء کا نعمت ہونا بھی باقی رکھا اور اس کے رفع کی دعا بھی فرما دی اور کس خوبی سے اس کا ادب ملحوظ رکھا، حیات میں اس کا مشاہدہ ہے کہ بھنا گوشت نعمت ہے مگر ضعیف المعدہ تحمل نہیں کر سکتا۔ اسکو ساگودانہ دیا جاتا ہے۔

دوسرے بلاء اور مصیبت میں بھی فرق ہے۔ بلاء کے معنی امتحان کے ہیں اور مصیبت وہ بن سے پریشانی ہو اور حضرت حاجی صاحبؒ نے بلاء کو نعمت فرمایا تھا نہ کہ مصیبت کیونکہ ببت تو نقمت ہوتی ہے اور اس کا سبب معاصی ہوتے ہیں اور بلاء سے محبین کا امتحان مقصود ہے جو رفع درجات کا سبب ہے، اسی لئے حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ بلاء ہے، اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ۔ یعنی لوگوں میں شدید تر بلاء کے ار سے انبیاء علیہم السلام ہیں، پھر وہ لوگ جو آپ کے مماثل ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے مماثل (ارضاء الحق حصہ اول ص۲۸، ضرورت الاعتناء بالدین ص۲۳)

★